بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

القرآن الحدیث

نضر اللہ امرءًا اسمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ

اشاعۃ الحدیث

حضرو

بانی
محدث العصر
حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

سنابلی صاحب اپنی تحریر کے آئینے میں — حکمت بھری باتیں

اکیلی عورت کا ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنا — اسلام ایک مکمل دین ہے

مستقل سلسلے > ○ احسن الحدیث ○ فقہ الحدیث ○ توضیح الاحکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماھنامہ
اشاعۃ الحدیث
حضرو

134

جلد: 12 | محرم 1437ھ اکتوبر 2015ء | شمارہ: 10

بانی
محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ 40 روپے
سالانہ 500 روپے
مع محصول ڈاک پاکستان

خط و کتابت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد الاثری 0300-5288783 مقامِ اشاعت مکتبۃ الحدیث حضرو - ضلع اٹک

احسن الحدیث　　　　　حافظ ندیم ظہیر

تفسیر سورۂ مائدہ

﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴾

''پس اس کے لیے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل پسندیدہ بنا دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا جس سے وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا، پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کرید تا تھا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ وہ کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا میں اس سے بھی رہ گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں تو اپنے بھائی کی لاش چھپا دوں، پھر وہ پشیمان ہونے والوں میں سے ہو گیا۔'' (5/ سورۃ المائدۃ: 31-30)

فقہ القرآن:

* ﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ ﴾ ''پس اس کے لیے اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل پسندیدہ بنا دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا۔''

طَوَّعَتْ: تَطْوِيْعٌ مصدر سے ماضی واحد مونث غائب کا صیغہ ہے، یعنی اس نے آمادہ کیا، اس نے آسان کر دیا، یا اس نے مزین کر دیا۔

یہ نفس امارہ ہے جو انسان کو برائی پر اکساتا ہے، اسے اللہ رب العزت کی معصیت و بغاوت پر آمادہ کرتا ہے، فسق و فجور اور معاصی و ذنوب پر اُبھارتا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''یقیناً نفس (امارہ) تو برائی ہی پر ابھارنے والا ہے، سوائے اس کے جس پر میرا رب رحمت کرے۔ بلاشبہ میرا رب بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔'' (12/ سورۃ یوسف: 53)

ابن آدم (قابیل) کو بھی اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل کو مزین کر دیا حتیٰ کہ اس نے اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیا۔

* ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

''پس وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔'' یعنی اس کی دنیا بھی برباد ہو گئی اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب کا مستحق قرار پایا۔

علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ قتل کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے اور یہ جہنم میں داخل ہونے کا موجب ہے۔''

(تفسیر السعدی 678/1، طبع دارالسلام)

* ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ ...... ﴾

امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ایک کوے نے دوسرے کوے کو مار کر اس پر مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ جب ابن آدم (قابیل) نے اسے دیکھا تو کہنے لگا: ﴿ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ﴾ یعنی کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہوں کہ کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش چھپا نہ پاؤں۔

(تفسیر ابن جریر 482/4 وسندہ حسن)

ہابیل پہلا انسان تھا جو قتل ہوا اور قاتل (قابیل) نہیں جانتا تھا کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لاش دفنانے کا طریقہ بتانے کے لیے کوے کو بھیجا تو کوے نے قابیل کے سامنے جب زمین کو کرید کر گڑھا بنایا تو اسے دیکھ کر اپنے بھائی کی لاش دفنانے کی ترکیب معلوم ہو گئی۔

* ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴾

جمہور علماء کے نزدیک قابیل کی ندامت محض بھائی کے مرنے پر اور اس کی لاش چھپانے کا طریقہ معلوم نہ ہونے پر تھی، کیونکہ اگر وہ اپنے گناہ پر نادم ہوتا تو قیامت تک قتل ہونے والے لوگوں کا گناہ اس پر نہ ہوتا۔ واللہ اعلم

اضواء المصابیح

فقہ الحدیث

الفصل الثالث

۵۳۵) عَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ: اَقْبَلَ النَّبِيُّ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ حَتّٰى اَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْه.

سیدنا ابوجہیم بن حارث بن صمہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک دفعہ جمل نامی کنویں کی طرف سے تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص ملا، اس نے آپ کو سلام کیا تو نبی ﷺ نے اس کا جواب نہ دیا حتیٰ کہ ایک دیوار کے پاس آئے اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا، یعنی تیمّم کیا، پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔ متفق علیہ

تخریج: متفق عليه، صحيح البخاري: ۳۳۷، صحيح مسلم: ۱۱۴/ ۳۶۹

فقہ الحدیث:

۱: ذکر اذکار، سلام کہنے یا جواب دینے کے لیے وضو شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے استحباباً ایسے کیا، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "کَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ" نبی ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

(صحيح مسلم: ۳۷۳)

اس حدیث پر امام ابوداود رحمہ اللہ نے بایں الفاظ باب قائم کیا ہے: "بَابٌ: فِي الرَّجُلِ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالَى عَلَى غَيْرِ طُهْرٍ" طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا بیان۔ (أبو داود، قبل حديث: ۱۸)

علامہ نووی رحمہ اللہ کی تبویب درج ذیل ہے: "بَابُ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالَى فِي حَالِ الْجَنَابَةِ وَ غَيْرِهَا." یعنی حالت جنابت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔

اور جس روایت میں آتا ہے کہ ((إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ تَعَالٰى ذِكْرُهُ إِلاَّ عَلَى طُهْرٍ.)) أَوْ قَالَ: ((عَلَى طَهَارَةٍ)) ''میں نے اسے ناپسند جانا کہ طہارت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں۔'' (سنن ابی داود: ۱۷) تو وہ حسن بصری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: درج بالا حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بایں الفاظ باب قائم کیا ہے:

'' بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَ خَافَ فَوتَ الصَّلاةِ. ''

حضر (شہر) میں تیمّم کرنا جبکہ پانی میسر نہ ہو اور نماز قضا ہونے کا (بھی) اندیشہ ہو۔

یعنی اگر ایک مستحب امر (سلام کے جواب) کے لیے تیمّم کیا جا سکتا ہے تو نماز جو ایک عظیم فریضہ ہے وقت پر اس کی ادائیگی کے لیے بطریق اولیٰ تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

۳: تیمّم کے لیے پاک مٹی شرط ہے، لہٰذا مٹی کی دیوار جس پر مٹی نمایاں ہو اس سے تیمّم کیا جا سکتا ہے، آجکل سیمنٹ کی دیواریں اس مفہوم میں شامل نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

۴: تیمّم کے لیے ایک ہی ضرب راجح ہے، جیسا کہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی واضح ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ثبوت میں کئی قولی احادیث بھی موجود ہیں۔ وللہ الحمد

فائدہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی گزرا جبکہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، اس نے سلام کہا تو آپ نے اسے سلام کا جواب نہ دیا۔ (صحیح مسلم: ۳۷۰)

جو اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب کرنے والے شخص کو سلام کہا جا سکتا ہے کیونکہ آپ نے سلام کہنے والے کی اس بنا پر کوئی تردید نہیں فرمائی، جس روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی آپ کے پاس سے گزرا تو اس نے آپ کو سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''جب تم مجھے اس حالت میں دیکھو تو سلام نہ کہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمھارے سلام کا جواب نہیں دوں گا۔'' سنن ابن ماجہ (۳۵۲) یہ روایت عبداللہ بن محمد بن عقیل کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تاہم جسے ایسی حالت میں سلام کہا گیا ہو وہ قضائے حاجت سے فارغ

ہو کر جواب دے سکتا ہے۔

٥٣٦) وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ، أَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالصَّعِيْدِ لِصَلاةِ الْفَجْرِ، فَضَرَبُوْا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيْدَ، ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيْدَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَمَسَحُوْا بِأَيْدِيهِمْ كُلِّهَا إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ أَيْدِيْهِمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

سیدنا عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ انھوں نے (کسی سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز کے لیے تیمّم کیا تو انھوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اپنے ہاتھ مٹی پر مارے، پھر اپنے چہروں پر ایک دفعہ مسح کیا، پھر دوبارہ اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مار کر کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔ اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: صحیح.

تخریج: سنن أبي داود : ۳۱۸

فقہ الحدیث:

ا: اسی باب میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ تیمّم میں دو ضربوں والی روایات ضعیف ہیں، مذکورہ حدیث صحیح ہے لیکن منسوخ ہے۔

* امام احمد بن محمد المظفر الرازی (متوفی ۶۳۱ھ) نے درج بالا روایت کو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث (صحیح البخاری: ۳۳۸، مشکوٰۃ: ۵۲۸) کی وجہ سے منسوخ قرار دیا ہے۔ (ناسخ والمنسوخ فی الأحادیث ص ۳۸)

نیز دیکھئے امام حازمی رحمہ اللہ (متوفی ۵۸۴ھ) کی کتاب "الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ فی الحدیث" (۱/۲۷۱)

پس معلوم ہوا کہ تیمّم کرنے کا راجح و غیر منسوخ طریقہ وہی ہے جو حدیث سابق: ۵۲۸ میں بیان ہو چکا ہے۔

حافظ ندیم ظہیر

توضیح الأحکام

سوال و جواب — تخریج الاحادیث

شہد پر زکاۃ

سوال کیا شہد پر زکاۃ ہے؟ (سیف الرحمٰن، میانوالی)

جواب شہد پر زکاۃ سے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اہل ایمان پر لازم ہے کہ بے جا اختلاف سے بچتے ہوئے ثابت شدہ امور پر عمل پیرا ہوں، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "أَنَّهُ أَخَذَ مِنَ الْعَسَلِ الْعُشْرَ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کا عشر وصول کیا۔ (صحیح، سنن ابن ماجه:1824)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ سیدنا ہلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے شہد کی زکاۃ لے کر حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا: آپ وادی سَلَبَہ ان کے لیے خاص کر دیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حصول شہد کے لیے) وہ وادی ان کے لیے خاص کر دی۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سفیان بن وہب نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھنے کے لیے خط لکھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا: اگر وہ تجھے اپنے شہد کا عشر ادا کرتے رہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے تو وادی سَلَبَہ ان کے لیے خاص رہنے دو، ورنہ برساتی مکھی کا شہد ہے جو چاہے اسے کھائے۔

(سنن النسائي: 2501، سنن أبي داود:1600، وسنده حسن)

سیدنا ابن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: قبیلۂ فہم کا ایک گروہ...... دس مشکوں میں سے ایک مشک (بطور عشر) دیتے تھے اور دونوں وادیاں انھی کے لیے خاص رہیں۔

(سنن أبي داود: 1602 وسنده حسن)

ان احادیث سے مستنبط ہونے والے مسئلے پر اگرچہ بعض علماء نے کلام کیا ہے، لیکن

علماء کی ایک جماعت نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ شہد میں عشر ہے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان ہے، میں نے اپنے والد محترم (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے پوچھا: کیا شہد پر زکاۃ ہے؟ انھوں نے فرمایا: شہد میں عشر ہے۔

(مسائل الإمام أحمد:620)

مذکورہ دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ براہ راست چھتّے سے اتارنے والے کے پاس اگر شہد اتنی مقدار میں ہو کہ وہ دس مشکیں بن جائے تو اس پر ایک مشک بطور عشر ادا کرنا ضروری ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر یہ حکم نہیں ہے۔ واضح رہے کہ جو لوگ بطور تجارت شہد کی خرید و فروخت کرتے ہیں، یعنی براہ راست خود چھتوں سے شہد نہیں اترواتے لیکن اس کا لین دین کرتے ہیں تو ان کی تجارت پر وہی زکوٰۃ عائد کی جائے گی جو تجارتی مال پر ہے۔

واللہ اعلم

اکیلی عورت کا ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنا

سوال کیا عورت اکیلی ڈرائیور کے ساتھ مارکیٹ یا سکول و کالج وغیرہ جا سکتی ہے؟ براہ مہربانی دلائل سے بتائیں۔ (ایک بہن، اسلام آباد)

جواب ہمارے معاشرے میں بہت سی برائیاں اس لیے پروان چڑھ رہی ہیں کہ ہم ان برائیوں کے اسباب پر نظر رکھنے کی بجائے نظر چراتے ہیں، پھر اس وجہ سے برآمد ہونے والے نتائج سے بھی کلی غافل ہیں۔ اجنبی ڈرائیور کے ساتھ اپنی بہن، بیوی یا بیٹی وغیرہ کو سفر پر روانہ کر دینا اپنی ذمہ داری یا ذاتی معاملے میں دوسرے کو شریک کرنے کے مترادف ہے اور یہ بنیادی غلطی دینی و دنیاوی اعتبار سے انتہائی خطرناک ہے۔

عورت کا تنہا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ کہیں جانا دو وجہ سے حرام ہے:

۱) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لَا تُسَافِرِ امْرَأَةٌ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ.))

''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔'' (صحيح مسلم:3272/1341)

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بعض احادیث میں دو دن یا دو رات کی مسافت کا سفر طے کرنے کا ذکر ہے، لہٰذا تھوڑا سفر عورت بغیر محرم (ڈرائیور کے ساتھ) کر سکتی ہے تو ایسے احباب دوسری وجہ کو بھی ملحوظ رکھیں جو درج ذیل ہے:

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَ مَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ))**
''کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی اختیار نہ کرے، اِلا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔'' (صحیح مسلم: 3274/1341)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: **((أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ))**
''آگاہ رہو! جو آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔'' (صحيح، سنن الترمذي: 1171)

اگر کوئی عورت محرم کے بغیر تنہا ڈرائیور کے ساتھ سفر کرے گی تو ان دونوں کو خلوت میسر آئے گی اور ان دونوں کے درمیان شیطان ہوگا جو انھیں گناہ پر اُکسائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ عورت تنہا اجنبی ڈرائیور کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی کیونکہ شریعت اسلامیہ میں اس کی ممانعت ہے، علاوہ ازیں یہ خلوت کا باعث ہے جو حرام ہے، لہٰذا خواتین کو تنہا ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنے سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔

پریشانی اور غم کی دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (اکثر) یہ دعا پڑھا کرتے تھے: **((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَ الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ وَ ضَلَعِ الدَّيْنِ وَ غَلَبَةِ الرِّجَالِ.))** ''اے اللہ! میں غم و الم، عاجزی و سستی، کنجوسی و بزدلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غالب آنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

(صحيح البخاري: 6369)

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ
ترجمہ: حافظ فرحان الٰہی

سنت کے سائے میں

حکمت بھری باتیں

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج النیسابوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ ـ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى، قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا وقَالَ الْآخَرَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((**مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ.**))

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، ح وَحَدَّثَنَاهُ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ أَبِي أُسَامَةَ لَيْسَ فِيهِ ذِكْرُ التَّيْسِيرِ عَلَى الْمُعْسِرِ.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کی دنیا کی پریشانیوں میں سے ایک پریشانی کو ہٹایا، اللہ تعالیٰ اس کی روزِ قیامت کی پریشانیوں میں سے ایک کو ہٹا دے گا، اور جو کسی تنگدست کے ساتھ آسانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے، اور جو شخص کسی ایسے راستے پر چلے جس میں وہ علم کو تلاش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے، اور جب بھی چند لوگ اللہ کے گھروں (مساجد) میں سے کسی ایک گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور ایک دوسرے سے سیکھتے وسکھاتے ہیں، تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے، فرشتے انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس موجود (فرشتوں) میں کرتا ہے اور جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ دے، اس کا نسب اسے آگے نہیں پہنچا سکتا۔'' امام مسلم فرماتے ہیں: یہ حدیث ہمیں محمد بن عبداللہ بن نمیر نے اپنے والد عبداللہ بن نمیر کے طریق سے اور نصر بن علی نے ابواسامہ کے طریق سے بھی بیان کی، ابواسامہ کی روایت میں اعمش کی ابو صالح سے سماع کی تصریح ہے، ان کی روایت میں تنگدست کے لیے آسانی کا ذکر نہیں ہے۔

تخریج الحدیث: صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، رقم الحدیث(2699)، وأخرجه أبو داود، والترمذي، وابن ماجه، والنسائي، في الکبریٰ وغیرهم من طرق عن الأعمش به، و صرح بالسماع کما مر، و تابعه محمد بن المنکدر وغیره۔

فقہ الحدیث:

۱) علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ ایک عظیم حدیث ہے، جس نے کئی علوم، قواعد

اور آداب کو اپنے اندر سمولیا ہے۔

حدیث میں پریشانی کو ہٹانے سے مراد ہے کہ اس کو زائل کیا جائے، نیز حدیث میں فضیلت کے کئی کام بتائے گئے ہیں، مثلاً: جیسے بھی ممکن ہو، مسلمانوں کو نفع پہنچایا جائے، ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔ علم، مال یا باہمی تعاون کے ذریعے سے کسی مصلحت یا نصیحت کی طرف اشارہ کر کے یا کسی اور انداز سے دوسروں کے فائدے کا باعث بننا چاہیے۔ اسی طرح مسلمانوں کی پردہ پوشی، تنگ دست کو مہلت دینا، حصول علم کے لیے سفر کرنا یہ سب فضیلت کے کام ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں مشغول رہنا کتنا سُودمند ہے۔ یاد رہے کہ یہاں علم سے مراد علم شرعی ہے، بشرطیکہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، اگرچہ یہ شرط تو ہر عمل کے لیے درکار ہوتی ہے لیکن علماء عام طور پر علم کو اس شرط کے ساتھ ضرور مقید کرتے ہیں، کیوں کہ بعض لوگوں کے ہاں اس میں کبھی تساہل بھی پایا جاتا ہے، خاص طور پر اس راستے کے ابتدائی مسافر اخلاص نیت میں غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں۔''

۲) یہ حدیث بتاتی ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی تعلیم و تدریس کے لیے مساجد، مدارس یا دیگر مقامات پر اکٹھا ہونا بھی نہایت فضیلت والا کام ہے، اس حدیث سے اور دیگر کئی دلائل سے قرآن و حدیث کی تدریس کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ (المائدة:67)

''اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے۔'' اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَ لَوْ آيَة)) ''یعنی میری طرف سے آگے پہنچا دو، خواہ ایک آیت ہی ہو۔'' اس حدیث کو امیر المؤمنین فی الحدیث، شیخ الاسلام، فقیہِ امت محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

(صحيح البخاري:3461)

۳) یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ غیبت کرنا اور کسی مسلمان بھائی کا ایسا تذکرہ کرنا جس سے اُس بھائی کو تکلیف پہنچے حرام ہے، یہ حکم ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کی غلطیاں

اور مفسدات معروف نہیں ہیں، جبکہ ایسا آدمی جو علی الاعلان بدعت وفساد کا داعی ہے، ایسے آدمی کے نقصانات سے والیٔ مملکت یا کسی معتبر شخصیت کو آگاہ کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر آدمی خود کسی کو غلطی وفساد سے روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کسی ایسے آدمی کو اس کے بارے میں بتا دینا درست ہوگا جو اسے غلطی سے روک سکتا ہو، اور اگر کسی آدمی کو گناہ میں ملوث پایا جائے تو اسے خود بھی حتی المقدور منع کرنا ضروری ہے۔

٤) اس حدیث سے یہ بات بھی عیاں ہے کہ جہنم کی آگ سے نجات صرف اور صرف ایمان اور اعمال صالحہ سے ہی ممکن ہے، اس معاملے میں حسب ونسب کا کوئی دخل نہیں، نبی کریم ﷺ نے اپنی لخت جگر، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرمایا تھا: ''اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، کیوں کہ میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لیے کسی شئے کا اختیار نہیں رکھتا، ہاں! اتنا ہے ضرور کہ تمہارا میرے ساتھ رحم کا رشتہ ہے، میں اس رشتے کے حقوق و واجبات ادا کرتا رہوں گا'' (صحيح مسلم:204)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ''اے میری بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے تم جو مانگنا چاہو، مجھ سے مانگ لو، میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔'' (صحيح البخاري:2753)

ذرا غور کیجیے!! رسول اللہ ﷺ اپنی مومنہ بیٹی سے کیا فرمارہے ہیں؟ جبکہ آپ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے جسم کا ٹکڑا ہیں، اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور ان کے بالمقابل وہ آدمی جو رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا فقط دعویٰ کرتا ہے، جبکہ عقیدہ وعمل میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا مخالف ہے، کیسے یہ گمان کرسکتا ہے کہ روز محشر اسے نبی کریم ﷺ سے کی سفارش کے ذریعے سے جنت میں داخل کردیا جائے گا......؟

٥) فواد عبدالباقی رحمہ اللہ اور دیگر عربی نسخوں میں سند یوں ہے: "حدثنا الأعمش: حدثنا ابن نمير عن أبي صالح" جبکہ یہ خطا ہے، درست سند اس طرح ہے: "حدثنا الأعمش، قال ابن نمير عن أبي صالح" لہٰذا اس کی تصحیح کر لیجیے، یاد رہے کہ صحیح

مسلم کا عمدہ ترین نسخہ وہ ہے جو ہند و پاک میں متداول ہے، جیسا کہ میں نے ریاض (شہر) میں بعض عربی بھائیوں کی مجلس میں ثابت کیا تھا، والحمدللہ۔

٦) سلیمان بن مہران الأعمش حدیث کے ایک راوی ہیں، آپ کی تدلیس مشہور ہے، جیسا کہ کتبِ رجال میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری و مسلم میں مدلس راوی کی روایت (خواہ وہ معنعن ہو) سماع پر محمول ہوتی ہے، یا اس کے متابعات کی بنا پر وہ صحیح سمجھی جاتی ہے، یہ قاعدہ اصول حدیث کی کتب میں بالتفصیل موجود ہے، برخلاف ان لوگوں کے جو اسے تسلیم نہیں کرتے۔

اسلام ایک مکمل دین ہے

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ (متوفی 294ھ) نے فرمایا: ''جب مسلمانوں کے لیے ان کا دین مکمل ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی روح قبض فرمالی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔'' (سورۂ مائدۃ: 3)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں کھڑے تھے، اس کے بعد حلال و حرام سے متعلق کچھ نازل نہیں ہوا، پھر آپ (مدینہ طیبہ) واپس لوٹے اور وفات پا گئے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ سے ملنے والے دین و شریعت پر اکٹھے ہونے کا حکم دیا اور دلیل و بیان آجانے کے بعد دینِ اسلام میں تفرقہ بازی سے منع فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقوں میں مت بٹو۔'' (آل عمران: 103) [السنۃ للمروزی: 5]

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

انوار السنن فی تحقیق آثار السنن

(۳۱)

۳۷۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((**إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُوْلُ اٰمِيْنَ وَ أَنَّ الْإِمَامَ يَقُوْلُ اٰمِيْنَ فَمَنْ وَّافَقَ تَأْمِيْنُهٗ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.**)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ .

اورابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب امام ﴿**غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ**﴾ کہے تو تم آمین کہواور فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اورامام بھی آمین کہتا ہے۔پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' اسے احمد ۲/ ۲۲۸) نسائی (۲/۱۴۴ ح ۹۲۸) اور دارمی (۱/۲۸۴ ح ۱۲۴۹) و ابن ماجہ (۸۵۲) نے روایت کیا ہےاوراس کی سند صحیح ہے۔

انوارالسنن:

اس حدیث سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ امام آمین کہتا ہے۔

بَابُ الْجَهْرِ بِالتَّامِيْنِ

آمین بالجہر کا باب

۳۷۷) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا قَرَأَ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اٰخَرُوْنَ وَهُوَ حَدِيْثٌ مُضْطَرِبٌ .

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھتے تو آمین کہتے اور اس کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتے تھے۔ اسے ابوداود (۹۳۲، واللفظ لہ) ترمذی (۲۴۸) اور دوسروں (مثلاً ابن ماجہ: ۸۵۵) نے روایت کیا ہے اور یہ مضطرب حدیث ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث میں سفیان ثوری (تقدم: ۲۰۹) کی تدلیس کا کوئی مسئلہ نہیں، کیونکہ یہ حدیث سفیان ثوری سے یحییٰ بن سعید القطان نے بیان کی ہے اور یحییٰ القطان سفیان ثوری سے صرف وہی حدیثیں بیان کرتے تھے جو ثوری نے اپنے استاذوں سے سنی تھیں۔ (دیکھئے الفتح المبین ص ٦٧)

اس کے باوجود بھی نیموی صاحب اور بعض آلِ تقلید کا یہاں یہ پروپیگنڈا کہ ”سفیان ثوری اپنی جلالت قدر کے باوصف کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں“ (توضیح السنن ١/ ٦١٥) باطل ہے، جبکہ سماع ثابت ہے تو تدلیس کا اعتراض کیوں؟

یہاں پر ان لوگوں کو امام سفیان ثوری کی تدلیس یاد آجاتی ہے اور ترک رفع یدین والے مسئلے میں ان کی تدلیس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ دیکھئے حدیث: ۴۰۲

حالانکہ ترکِ رفع الیدین والی روایت میں کسی بھی طرح سماع کی صراحت نہیں ہے۔

نیموی صاحب نے تقلیدی تعصب کی وجہ سے درج بالا حدیث کو مضطرب، یعنی ضعیف قرار دیا ہے اور آگے اپنی مرضی والی حدیث کے بارے میں تدلیس کرتے ہوئے ”وإسناده صحيح و في متنه اضطراب“ لکھا ہے۔ (ح ۳۸۴)

شعبہ کی حدیث کے بارے میں تو ”و إسناده صحيح“ إلخ لکھ دیا، لیکن سفیان ثوری کی روایت کے بارے میں ”و إسناده صحيح“ نہیں لکھا، حالانکہ محدثین کرام سفیان ثوری کی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں:

امام دارقطنی نے کہا: ”هَذَا صَحِيْحٌ“ (سنن دارقطني ١/ ٣٣٤)

حافظ ابن حجر نے کہا: ”وَ سَنَدُهُ صَحِيْحٌ“ (التلخيص الحبير ١/ ٢٣٦ ح ٣٥٣)

امام بغوی نے کہا: ”هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ“ (شرح السنة ٣/ ٥٩ ح ٥٨٦)

حافظ ابن القیم نے کہا:" وَ إِسْنَادُهُ صَحِیْحٌ " (اعلام الموقعین ۲/ ۳۹۶)
سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت کی کسی سند میں کوئی اضطراب نہیں، بلکہ علاء بن صالح (ثقة عند الجمهور) نے ان کی متابعتِ تامہ کر رکھی ہے۔
تنبیہ: عبدالقیوم حقانی دیوبندی نے لکھا ہے: علاء بن الصالح باتفاق ضعیف ہیں'
(توضیح السنن ۱/ ۶۰۹)!
علاء بن صالح پر نیموی صاحب نے یہاں جرح کردی ہے کہ "تقریب میں ہے: صدوق له أوهام ، ذہبی نے ابوحاتم سے نقل کیا: كان من عنق الشيعة ، ابن المدینی نے کہا: روى أحاديث مناكير . (التعليق الحسن ص۱۹۵ تحت ح ۳۸۴ ملخصًا) "
اور اسی علاء بن صالح کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں خود نیموی صاحب نے کہا: " و إسناده حسن" (آثار السنن :٦٢٧)سبحان اللہ! کیا انصاف ہے!؟
علاء بن صالح کو درج ذیل اماموں نے ثقة اور لا بأس به قرار دیا ہے۔
یحییٰ بن معین، ابوداود، ابوحاتم الرازی، ابن حبان، یعقوب بن سفیان الفارسی، ابن نمیر اور عجلی وغیرہ۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۸/ ۱۸۳)
معلوم ہوا کہ وہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق یعنی حسن الحدیث ہیں۔ تحریر تقریب التہذیب میں بھی اسی بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ وہ صدوق حسن الحديث ہیں۔
جبکہ نیموی صاحب کا حدیث نمبر ۶۲۷ کو حسن کہنا صحیح ہے اور یہاں علاء بن صالح التیمی پر جرح کرنا تعصب اور فرقہ پرستی ہے۔
تنبیہ بلیغ: امام شعبہ کی روایت میں اضطراب ہے، جیسا کہ آگے (حدیث: ۳۸۴ کے تحت) آرہا ہے۔
نیموی صاحب نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی بیان کردہ آمین بالجہر والی روایات میں اضطراب ثابت کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کا جائزہ درج ذیل ہے:
۱: امام شعبہ کی روایت کے اضطراب کے لئے دیکھئے حدیث: ۳۸۴

۲: طبرانی نے کبیر میں روایت کیا...... آمين ثلاث مرات .

(التعليق الحسن ص ۱۸۷ ، المعجم الكبير ۲۲/ ۲۲ح ۳۸)

اس کی سند کئی وجہ سے ضعیف ہے: اعمش مدلس ہیں۔ (تقدم:۴۲) اور روایت عن سے ہے۔ ابواسحاق السبیعی مدلس ہیں۔ (تقدم:۹۹) اور روایت عن سے ہے۔ میرے علم کے مطابق سعد بن الصلت کی توثیق سوائے ابن حبان کے کسی سے ثابت نہیں، لہٰذا وہ مجہول ہے۔ عبدالجبار بن وائل نے اپنے والد سے کچھ بھی نہیں سنا۔

دیکھئے حدیث: ۳۸۴ کا حاشیہ، التعليق الحسن ص ۱۹۶ ۔

ایسی ظلمات والی روایت کے بارے میں نیموی صاحب حافظ ہیثمی کا قول نقل کر رہے ہیں: " رجاله ثقات "!

اس حرکت کا نام تدلیس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

۳: طبرانی (۲۲/۴۳ح ۱۰۷) اور بیہقی (۲/ ۵۸) نے نقل کیا: رب اغفرلي آمين .

اس کی سند ابواسحاق السبیعی کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (تقدم:۹۹)

۴: ابوداود نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا......حتى يسمع من يليه من الصف الأول . (التعليق الحسن ص ۱۸۷)

اس روایت کو نیموی کا یہاں پیش کرنا ظلم عظیم ہے کیوں کہ خود انھوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (آثار السنن: ۳۷۹)

اور اس کے راوی بشر بن رافع پر شدید جرح کی ہے۔ (التعليق الحسن ص ۱۸۹)

ان لوگوں کی ان دوغلی پالیسیوں کی شکایت ہم اللہ تعالیٰ کے دربار میں کرتے ہیں۔!

۵: نیموی نے دولابی (جو کہ بذاتِ خود تحقیق راجح میں ضعیف ہے) کی کتاب سے " ما أراه إلا يعلمنا " والی روایت پیش کی ہے جس میں یحییٰ بن سلمہ بن کہیل متروک، منکر الحدیث اور حسن بن عطیہ ضعیف ہے۔

اضطراب والی ان روایات کے جائزے سے ثابت ہوا کہ اصل اضطراب تو نیموی

صاحب کے دل و دماغ میں ہے جس کا علاج بہت آسان تھا:

تقلید، تعصب اور پارٹی بازی کو چھوڑ کر اصولِ حدیث و اسماء الرجال کو مدنظر رکھ کر اور عذابِ قبر و حساب آخرت سے ڈرتے ہوئے احادیث کی غیر جانبدار تحقیق کرتے اور حق کو ترجیح دیتے تو اُن سے متناقض، باہم مضطرب اور عجیب وغریب باتوں کا صدور نہ ہوتا۔ ایسی حالت میں اگر اجتہادی خطا بھی لگ جائے تو رحمت باری تعالیٰ کا دروازہ کھلا ہے۔

فائدہ: امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آمین بالجہر کی احادیث متواتر ہیں۔

دیکھئے کتاب التمییز (ص ۹) / یاد رہے کہ متواتر کو ضعیف قرار دینا غلط اور باطل ہے۔

۳۷۸) وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ أُمِّ الْقُرْاٰنِ رَفَعَ صَوْتَهُ وَ قَالَ اٰمِيْنَ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ الْحَاكِمُ وَ فِي إِسْنَادِهِ لِيْنٌ.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز بلند کر کے آمین کہتے تھے۔ اسے دار قطنی (۱/ ۳۳۵ ح ۱۲۵۹) اور حاکم (۱/ ۲۲۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں وجۂ ضعف صرف یہ ہے کہ امام زہری مدلس ہیں۔ (تقدم: ۲۹) اور یہ روایت عن سے ہے۔ رہا نیموی صاحب کا اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی پر جرح کرنا تو یہ جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔ اسحاق مذکور کو ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم، دارقطنی، بیہقی، ابن القیم اور جمہور نے ثقہ و صدوق قرار دیا ہے۔ ابو حاتم الرازی نے کہا: یہ شیخ ہے اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہ لوگ (؟) اس سے حسد کرتے ہیں اور میں نے ابن معین کو ان کی اچھی ثنا (بہترین تعریف) کرتے ہوئے سنا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲/ ۲۰۹)

اس کے مقابلے میں بغیر سند کے مروی ہے کہ نسائی نے انھیں: لیس بثقة کہا۔

(یہ امام نسائی سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بھی مردود ہے۔)

آجری (مجہول) نے ابو داود سے: "لیس بشيء" اور محمد بن عوف سے: "ما أشك……

یکذب" کی جرح نقل کی ہے۔ یہ جرح آجری کے مجہول ونا معلوم ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ دیکھئے مقدمة سؤالات الآجري (ص ٤١ ، لم نجد له ترجمة)

اس غیر ثابت و مردود جرح کی بنیاد پر نیموی صاحب بغلیں بجا رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

۳۷۹) وَعَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمِّ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: تَرَكَ النَّاسُ التَّامِيْنَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا قَالَ: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ: اٰمِيْنَ حَتّٰى يَسْمَعَ أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَإِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ.

اور ابو ہریرہ کے بھتیجے ابو عبداللہ (؟) سے روایت ہے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آمین چھوڑ دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتے تو آمین کہتے حتیٰ کہ پہلی صف والے سن لیتے، پھر اس کے ساتھ مسجد آوازوں سے گونج اٹھتی۔ اسے ابن ماجہ (۸۵۳) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

انوار السنن: اس روایت کی سند سخت ضعیف و مردود ہے۔

یہ وہی روایت ہے جس سے نیموی صاحب نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۶ پر استدلال کیا ہے اور یہاں بشر بن رافع پر شدید جرح کر دی ہے۔ "یروي أشیاء موضوعة" إلخ جو موضوع روایتیں بیان کرتا ہے اس کی روایت صرف ضعیف نہیں بلکہ ضعیف جداً مردود یا موضوع ہوتی ہے۔

بشر بن رافع کی روایت میں یہ الفاظ: "لوگوں نے آمین چھوڑ دی ہے" سخت باطل بلکہ موضوع ہیں کیونکہ صحابہ و تابعین سے تو آمین بالجہر ثابت ہے۔ والحمدللہ

۳۸۰) وَعَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا صَلَّتْ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمَّا قَالَ: وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ: اٰمِيْنَ فَسَمِعَتْهُ وَهِيَ فِي صَفِّ النِّسَاءِ. رَوَاهُ ابْنُ رَاهُوَيْهِ فِي مُسْنَدِهٖ وَالطَّبَرَانِيُّ فِى الْكَبِيْرِ وَفِيْهِ إِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُسْلِمِ الْمَكِّيِّ وَهُوَ ضَعِيْفٌ. قَالَ النِّيْمَوِيُّ لَمْ يَثْبُتِ الْجَهْرُ بِالتَّامِيْنِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا

عَنِ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ رضی اللہ عنہم وَ مَا جَاءَ فِی الْبَابِ فَهُوَ لَا يَخْلُوْ مِنْ شَيْءٍ .

اور اُم الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر جب آپ نے ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہا تو آمین کہی تو میں نے اُسے سن لیا۔ اور وہ عورتوں کی صف میں تھیں۔ اسے ابن راہویہ نے اپنی مسند میں (قلمی ص ۲۸۱ ا) اور طبرانی نے الکبیر (۲۵/ ۱۵۸ح ۳۸۳) میں روایت کیا ہے اور اس میں اسماعیل بن مسلم المکی ضعیف ہے۔

نیموی صاحب نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے آمین بالجہر ثابت نہیں ہے اور اس باب میں جو کچھ آیا ہے وہ کسی چیز سے خالی نہیں ہے۔

انوارالسنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

ا: بے شک اسماعیل بن مسلم المکی ضعیف ہے لیکن کیا خیال ہے: اس حدیث کی دنیا میں کوئی دوسری سند نہیں ہے؟ تو سن لیں! امام ابویعلیٰ الموصلی فرماتے ہیں: "حدثنا هدبة قال: ثنا هارون بن موسىٰ النحوي عن ثابت عن ابن أُم الحصين عن جدته أنها سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ فقرأ حتى بلغ: ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ قال: آمين ." (كتاب المعجم: ۳۱۳)

ام الحصین (رضی اللہ عنہا) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کی قراءت کرتے ہوئے سنا، پھر جب آپ ﴿وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر پہنچے تو آپ نے کہا: آمین۔

اس کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسماعیل بن مسلم کا اس سند میں کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ ہارون بن موسیٰ موثق عند الجمهور و حسن الحديث ہیں اور باقی سند صحیح ہے۔

۲: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین بالجہر ثابت ہے، جیسا کہ علاء بن صالح رحمہ اللہ کی حسن لذاتہ روایت بحوالہ سنن أبي داود (۹۳۳) آثار السنن (۳۷۷) کی تحقیق انوارالسنن حاشیہ نمبر ا کے تحت گزر چکی ہے۔ باقی روایات کے لئے میری کتاب القول المتين فی الجهر بالتأمين پڑھ لیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے جہری نمازوں میں خفیہ آمین یا آمین بالسر قطعاً ثابت نہیں ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مسئلہ ضرور خلفائے راشدین سے ثابت ہو کسی ایک صحابی سے ثابت ہو جانا اور خلفائے راشدین یا دیگر صحابہ سے اس کی مخالفت ثابت نہ ہونا، یہی کافی ہے۔

صحیح بخاری (قبل ح ۷۸۰) میں تعلیقاً اور مصنف عبد الرزاق (۲٦٤٠) وغیرہ میں موصولاً آیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مقتدی سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے حتیٰ کہ بلند آواز کی وجہ سے مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی تھی۔ اس حدیث کے بعد امام عطاء نے فرمایا: آمین دعا ہے۔

تنبیہ: بعض لوگ اسے دو وجہ سے ضعیف کہتے ہیں:

ا: ابن جریج مدلس ۲: مسلم بن خالد ضعیف۔

تو عرض ہے کہ ابن جریج کی عطا بن ابی رباح سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے اور مسلم بن خالد کی محمد بن بکر (ثقہ وصدوق) نے متابعت کر رکھی ہے۔ دیکھئے تغلیق التعلیق لابن حجر (۲/ ۳۱۸) [ندیم]

امام عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "أدركت الناس و لهم زجة في مساجدهم بآمين إذا قال الإمام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾" میں نے لوگوں کو اس پر پایا ہے کہ جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہتا تو لوگ اپنی مسجدوں میں اونچی آواز کے ساتھ آمین کہتے تھے۔

(مصنف ابن أبي شيبة ۲/ ٤۲٥ ح ۷۹٦۳ وسنده صحيح)

کسی ایک صحابی یا تابعی کا ان لوگوں پر انکار ثابت نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے آمین بالجہر کہنے پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے۔ والحمد للہ

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خلفائے راشدین دل میں آمین کہتے ہوں اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اُن کی مخالفت کر کے آمین بالجہر کہتے ہوں۔

جھوٹی اور بے اصل روایتوں کی بنیاد پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کو ایک دوسرے سے ٹکرا دینا اُن لوگوں کا کام ہے جو تقلید اور تعصب کے اندھیروں میں غرق ہیں۔

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر اللہ سے دُعا اور چند قرآنی سوالات (قسط:۴)

دوسرا سوال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾

(الانعام: 64-63)

ا: ''تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچاوے تو ہم ضرور احسان مانیں گے۔ تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو''

(ترجمہ از: احمد رضا خان)

۲: ''فرمایئے تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور دریاؤں کی تاریکیوں سے جسے تم عاجزی سے اور آہستہ سے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچادے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ فرمادیجئے اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر سختی سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو'' (ترجمہ از: احمد سعید کاظمی)

۳: ''آپ فرمایئے کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو...... فرمایئے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو'' (ضیاء القرآن 565/1)

پیر آف بھیرہ کرم شاہ صاحب نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا:

''انسان سے پوچھا جا رہا ہے کہ حضرت جی! یہ تو فرماؤ جب تمہیں خشکی یا تری میں مصائب کے بادل گھیر لیتے ہیں۔ نجات کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں......

اُس وقت تم کس کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہو۔ کس دامن رحمت میں پناہ تلاش کرتے

ہو......الخ“ (ضیاء القرآن 565/1)

۴: ان کے ”علامہ“ غلام رسول سعیدی صاحب سے بھی ان آیات کا ترجمہ وتفسیر ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے: ”آپ کہئے تمہیں خشکی اور سمندروں کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، جس کو تم عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے بچا لے تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ آپ کہیے کہ اللہ ہی تم کو اس (مصیبت) سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر (بھی) تم شرک کرتے ہو“ (تبیان القرآن 504/3)

نیز لکھا: ”اس آیت میں خشکی کی تاریکیوں کا ذکر فرمایا، اس سے مراد حسی تاریکی بھی ہے اور معنوی تاریکی بھی۔ حسی تاریکی رات کا اندھیرا، گہرے بادلوں کا اندھیرا، بارش اور آندھیوں کا اندھیرا ہے، اور سمندروں کی حسی تاریکی رات کا اندھیرا، بادلوں کا اندھیرا اور موجوں کے تلاطم کا اندھیرا ہے اور معنوی تاریکی، ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید، نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے منزل کی ہدایت نہ پانے کا خوف اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ جب اس قسم کے اسباب مجتمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے، تو اس وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت وہ زبان اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل وکرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو ماویٰ وملجا اور جائے پناہ قرار دیا جائے اور جب اس حال میں وہی فریاد رس اور دستگیر ہے تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے“

(تبیان القرآن 522/3)

قارئین کرام! بریلوی اہل علم کے ترجمے اور تفاسیر آپ کے سامنے ہیں ان سے آپ بآسانی یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام (کی آیت: 63) میں ایک سوال پوچھا

ہے، وہ یہ کہ ”تمہیں خشکی وسمندروں کی تاریکیوں (مصیبتوں) سے کون نجات دیتا ہے؟“

اب اس امت کے وہ بہت سے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اللہ کے نیک و مقرب بندوں کو بھی فریادرس، دستگیر ومشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ کو مشکل کشائی اور دستگیری کی قدرت ملی ہوئی ہے، جیسا کہ ان کے ”حکیم الامت“ احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب نے لکھا:

ا: ”اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے　　کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں“

(جاء الحق ص204)

مطلب اولیاء کو اتنی قدرت حاصل ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹا دیں۔

۲: مزید لکھا:

”شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں اور اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں“ (جاء الحق ص204)

۳: مزید لکھا:

”اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں“

(حوالہ بالا)

۴: مزید لکھا:

”بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابو العباس احمد زردنی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں......

میں اپنے مرید کی پراگندیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار اے زرّوق! میں فوراً آؤنگا“ (جاء الحق ص206)

ان بے سند باتوں کی کیا حیثیت! لیکن ان باتوں کو جھوٹا ثابت کرنا بہت ہی آسان ہے، ان کو حوالہ دکھا کر کہیں: جناب! اب آپ بولیں: ”اے زرّوق!“ وہ ایک نہیں کروڑوں

اربوں بار بھی بولے تو ''زرّوق'' نہیں آئیں گے۔مگران کا تو یہی عقیدہ ہے۔

۵: مزید لکھا: ''نزہۃ الخاطر فی ترجمہ سیدی الشریف عبد القادر مصنف ملا علی قاری صفحہ 61 میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا...... یعنی جو کوئی رنج وغم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج وغم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی'' (جاء الحق ص 207)

نیز لکھتے ہیں: ''حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اُسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے'' (ص 208)

٦: مزید لکھا: ''اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے'' (ص 209)

گجراتی صاحب کی یہ عبارتیں کسی تفصیل کی محتاج نہیں کہ وہ اولیاء اللہ کے لئے کیا کیا اختیار وقدرت تسلیم کرتے ہیں، جبکہ دوسری طرف اپنی اسی کتاب میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں: ''بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات نہ دیئے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد طلب کرتے ہیں لہٰذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی'' (جاء الحق ص 214)

مسئلہ عقیدے کا ہے حنفی اور بریلوی اصول کے مطابق چاہیے کہ یہ لوگ قطعی الثبوت و قطعی الدلالہ دلیل پیش کریں جس سے اولیاء کی یہ قدرت واختیار ثابت ہو کہ وہ ہر وقت، ہر لمحہ، ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد سن سکتے ہیں، رنج وغم دور کر سکتے ہیں، سلطنت و بادشاہت دے سکتے ہیں، صالحیت اور ولایت دے سکتے ہیں، آسمان کو زمین پر گرا سکتے ہیں اور سب کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ اگر دلیل نہ دے سکے اور یقیناً نہیں دے سکتے تو مفتی صاحب کے مندرجہ بالا فتاویٰ جات کے مطابق: ''مجرم بھی اور اللہ کے باغی بندے بھی'' ثابت ہو جائیں گے۔کیا اللہ تعالیٰ کے باغی مسلم ومؤمن ہو سکتے ہیں، جبکہ بغاوت جرم سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ہر جرم بغاوت نہیں ہوتا۔

امداد اللہ تھانوی صاحب نے (جنھیں دیوبندی سید الطائفہ اور مہاجر مکی وغیرہ کہتے ہیں) اپنی کتاب میں "چلہ کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھا: "مشائخ طریقت کی مقدس روحوں سے مدد مانگ کر خلوت میں آجائے" (کلیات امدادیہ ص68)

الغرض جن کا ایسا عقیدہ ہو کہ اگر ان کے سامنے قرآن مجید میں موجود اللہ تعالیٰ کا یہ سوال رکھا جائے کہ بتاؤ "تمھیں خشکی وسمندروں کی تاریکیوں (مصیبتوں) سے کون نجات دیتا ہے؟" تو انصاف سے بتایئے کہ ان کا جواب کیا ہوگا؟ یہی نہ کہ اللہ عزوجل، انبیاء علیہم السلام، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، بابا عبدالقادر جیلانی، بابا معین الدین چشتی، بابا علی ہجویری، بابا فرید اور بہت سے بابا اور یہ تو کہتے ہی رہتے ہیں:

"اے مولا علی اے شیر خدا　　میری کشتی پار لگا دینا"

"اے معین الدین چشتی پار لگا دے میری کشتی"

"بہاء الحق بیڑا دھک" "نورانی نور ہر بلا دور"

"تقدیر بناون والے دا ہے وچ لاہور دے ڈیرہ"

بابا شاہ جمال پتر دے رتاں لال"

اور ایسے کتنے ہی نعرے ہیں جو یہ پیش کر دیں گے، لیکن اس سوال کے فوراً بعد اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جواب دلوایا؟ اور ان کے ذریعے سے ساری انسانیت کو کیا تعلیم دلانا چاہی، کیا سکھلانا چاہا: " قُلِ اللّٰهُ "!

کاظمی، ازہری اور سعیدی صاحبان نے اس کا ترجمہ کیا: "کہیے کہ اللہ ہی" اور بقول سعیدی صاحب: "وہی فریاد رس اور دستگیر ہے تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہیے"

تو مصیبتوں سے نجات دینے والا کون؟ اس قرآنی سوال کا قرآنی جواب: "اللہ ہی" ہے۔

اگر غیر اللہ سے مدد کے قائلین بھی یہی قرآنی جواب پیش فرما دیں تو گزشتہ سطور میں مذکورہ نعروں اور دعاؤں کی گنجائش ہی نہ رہے بلکہ یقینی طور پر ان کی نفی ہو جائے اور اگر اپنے عقیدے کے مطابق اس سوال کا جواب دیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھ، بابا...... بابا......

بابا......تو یہ جواب ''الفرقان'' حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب کے جواب سے الگ ومختلف ہوگا اور عقیدتاً تو الگ ہے ہی۔ خود سوچیئے! جو جواب قرآن مجید کے جواب سے مختلف ہو وہ حق کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کے ''مجدد'' اور کثیر الالقاب اعلیٰ حضرت کے چند ملفوظات بھی سنتے چلیے: ''عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے یا زروق کہہ کر ندا کرے میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔

ارشاد: مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی یا غوث ہی کہا یک درگیر محکم گیر، میری عمر کا تیسواں سال تھا۔ کہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہوا......معلوم ہوا یہ سب حضرت کا تصرف ہے یہ بین کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی۔ بجائے حضرت محبوب الٰہی......کے نام مبارک کے یَاغَوْ ثَاہُ زبان سے نکلا۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص 281، نوری کتب خانہ لاہور)

ایک اور موقع پر خان صاحب نے کہا:

''غالباً حدیقہ ندیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدی جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دجلہ پر تشریف لائے اور یا اللہ کہتے ہوئے اسپر زمین کے مثل چلنے لگے۔ بعد کو ایک شخص آیا اسے بھی پار جانے کی ضرورت تھی۔ کوئی کشتی اس وقت موجود نہ تھی جب اُسنے حضرت کو جاتے دیکھا عرض کی میں کس طرح آؤں فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چل اسنے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا جب بیچ دریا میں شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں اسنے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ۔ یا جنید یا جنید کہا دریا سے پار ہوا عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی آپ اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں۔ فرمایا ارے ناداں ابھی جنید تک تو پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے'' (ملفوظات اعلیٰ حضرت ص 97)

بتایئے! جس مذہب میں ''یا اللہ'' کہنا، رب کو پکارنا شیطان لعین کا وسوسہ ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ تک رسائی جو عین مطلوب ہے اسے ''ہوس'' سے تعبیر کیا جائے وہاں صرف اللہ ہی

سے مدد مانگنے کا عقیدہ کہاں ہوسکتا ہے، انہوں نے تو ایک خودساختہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ پہلے جنید تک پھر درجہ بدرجہ اللہ تک حیرت ہے کہ ان کے ہاں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مدد مانگنے کیلئے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں ہر ایک فوراً وہاں پہنچ سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو حقیقی مستعان و مددگار ہے، اللہ تعالیٰ سے براہ راست مدد نہیں مانگی جاسکتی اس کے لیے درمیانی واسطے درکار ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کیسے کہا جاتا ''ناداں ابھی جنید تک تو پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے''

المختصر سورۂ انعام (آیت:63) کے سوال پر غور کیا جائے اور آیت:64 میں تعلیم فرمود جواب کو اپنایا جائے تو یہی عقیدہ واضح ہوتا ہے کہ خشکی وتری کی ہر پریشانی میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہیے اور اللہ ہی دعا سن کر ہر تکلیف و سختی سے نجات دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔

تعزیت

❀ ممتاز عالم دین، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حافظ عبد الحمید ازہر رحمہ اللہ 14 نومبر 2015ء کو راولپنڈی میں وفات پاگئے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.
آپ عارضۂ قلب میں مبتلا تھے جس کے باعث اپنی وفات تک ہسپتال ہی میں ایڈمٹ رہے۔

❀ نامور مؤرخ، مصنف کتب کثیرہ مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ 22 دسمبر 2015ء کو لاہور میں وفات پاگئے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

ادارہ مکتبۃ الحدیث ان دونوں بزرگوں کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی سیئات سے درگزر فرما کر حسنات کو قبول کرے۔ آمین

اور ادارہ ان کے ورثاء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

تحقیق وتنقید

حافظ ندیم ظہیر

سنابلی صاحب اپنی تحریر کے آئینے میں

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد:

کسی بھی مسئلے میں تحقیق کرنا ہر صاحبِ علم کا حق ہے، لیکن تحقیق کے نام سے اُس مسئلے کو اِفراط وتفریط کی بھینٹ چڑھانا اور اعتدال کا دامن چھوڑ دینا، علمائے محققین کی شان کے خلاف ہے۔ بہت سے مسائل کی طرح ''مسئلہ یزید'' بھی اس رَوِش کا شکار ہے۔ کچھ عرصے سے تو اس بارے میں بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس بنا پر اصولوں کو توڑنا مروڑنا معمول کی کارروائی ہے حتیٰ کہ ادب واحترام اور محبت تک کا معیار بدل چکا ہے جس کی کئی مثالیں محترم جناب کفایت اللہ سنابلی صاحب کی تالیف جدید ''یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''ابن الجوزی نے یزید کی مذمت میں ایک کتاب لکھی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن الجوزی نے یہ کتاب امام عبدالمغیث رحمہ اللہ کے جواب میں لکھی ہے جنہوں نے یزید کے دفاع میں کتاب لکھی تھی۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ابن الجوزی نے یہ کتاب امام عبدالمغیث رحمہ اللہ کے جواب میں نہیں بلکہ جواب الجواب میں لکھی ہے، دراصل سب سے پہلے ابن الجوزی نے اپنی ایک تقریر میں یزید کے خلاف **بکواس** کی.........امام عبدالمغیث رحمہ اللہ کے جواب پر ابن الجوزی **آپے سے باہر** ہوگئے'' (ص:31)

تبصرہ: قارئین کرام! شروع میں ہم یہی سمجھتے تھے کہ محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے سنابلی صاحب کو جھوٹا قرار دیا ہے، ممکن ہے اسی وجہ سے شیخ محترم رحمہ اللہ کے بارے میں سنابلی صاحب کے قلم سے غیر مناسب الفاظ نکل گئے ہیں لیکن جب ہم نے ان کی تحریر پڑھی تو اندازہ ہوا کہ ان کے ہاں ''ادب واحترام'' کا معیار محض ''حمایتِ یزید'' ہے!!!

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے سنابلی صاحب کا کوئی رد نہیں کیا، وہ پھر بھی ''بکواسی''

ٹھہرے اور خود پر کنٹرول نہ رکھنے والے ''آپے سے باہر'' قرار پائے۔ یہی نہیں بلکہ محض یزید کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ان سے ہر قسم کا لاحقہ سابقہ چھین لیا گیا اور ان کی تمام خدمات کو نظر انداز کر دیا، والعیاذ باللہ۔

صفحہ (31) کے صرف ایک پیرے میں امام عبدالمغیث رحمہ اللہ کا نام 6 بار لکھا اور ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ ''امام'' اور ''رحمہ اللہ'' لگایا کیونکہ یہ حامیانِ یزید میں سے تھے اور اسی پیرے میں 10 دفعہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا ذکر کیا، لیکن ہر جگہ ''ابن الجوزی'' ہی لکھنے پر اکتفا کیا کیونکہ یہ مخالفین یزید میں شمار ہوتے ہیں۔!

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ پر سنابلی صاحب کی مزید کرم فرمائیاں

* سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ بات واضح ہو جائے کہ امام عبدالمغیث نے یہاں پر امام احمد کی تردید نہیں کی ہے، جیسا کہ ابن الجوزی نے **مغالطہ** دیا ہے'' (یزید بن معاویہ......ص788)

سنابلی صاحب کی تحریر سے عیاں ہے کہ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ ان کے نزدیک ''مغالطہ باز'' تھے۔

* نیز لکھتے ہیں: ''واضح رہے کہ ابن الجوزی نے یہاں پر عبدالمغیث کی **دشمنی** میں سارا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ اس آیت میں خطاب منافقین سے نہیں ....عرض ہے کہ یہاں پر ابن الجوزی امام عبدالمغیث کی **دشمنی** میں امام احمد کے قول کی **وکالت** کر رہے ہیں''

(یزید بن معاویہ......ص790)

علمائے کرام کے آپس کے علمی اختلاف کو ''دشمنی'' سے تعبیر کر کے سنابلی صاحب کن لوگوں کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں یہ اہل علم سے مخفی نہیں، دوسرا یہ کہنا کہ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے محض دشمنی میں امام احمد رحمہ اللہ کے قول کی وکالت کی ہے، یہ انھیں غیر منصف مزاج شخص ثابت کرنے کی ناکام کوشش ہے۔

یہاں ہم سنابلی صاحب سے عرض کریں گے کہ آپ محدثین کے اقوال میں سے دلیل

کے ساتھ کسی کو صواب یا خطا تو قرار دے سکتے ہیں، لیکن اس طرح کی ''بھونڈی ترجمانی'' کرنے کا حق آپ کو قطعاً نہیں ہے۔

* سنابلی صاحب حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غور کریں کہ امام عبدالمغیث نے ایک صحیح حدیث پیش کی، جو سنن ترمذی اور مسند احمد وغیرہ جیسی حدیث کی مشہور کتابوں میں صحیح سند سے موجود ہے، لیکن ابن الجوزی اپنی طرف سے اس حدیث کی **ٹوٹی پھوٹی سند** لا کر پھر اس پر جرح کر کے عبدالمغیث کو مطعون کر رہے ہیں کہ انھوں نے موضوع حدیث سے استدلال کیا ہے۔ سبحان اللہ'' (یزید بن معاویہ......ص 792)

* سنابلی صاحب رسوائے زمانہ مثال: ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ پر فٹ کر کے لکھتے ہیں: ''ابن الجوزی نے اپنی زندگی میں کئی لوگوں پر بے جا جرح کرتے ہوئے ان کی طرف بے بنیاد عیوب کی نسبت کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کے اندر یہ عیوب نہ تھے، بلکہ خود ابن الجوزی ہی ان **عیوب سے متصف** تھے اور شاید وہ اپنے اوپر دوسروں کو بھی قیاس کرنے لگ جاتے تھے۔'' (یزید بن معاویہ......ص 793)

اس پر ہم کچھ عرض کریں گے تو محترم کو شکایت ہوگی، لہٰذا اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ

ع دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے پھر اس میں عجب کیا تو بے باک نہیں ہے

قارئین کرام! جن کے ہاں ادب و احترام کا معیار محض کوئی شخصیت ہو ان کی ''قلم درازیوں'' پر افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، ہاں! اگر افسوس ہے تو اس بات پر کہ کیا ان کے حلقہ احباب میں کوئی ''رجل رشید'' نہ تھا جو بغلیں بجانے کی بجائے انھیں محدثین کی پگڑیاں اچھالنے سے روکتا؟!!

بہرصورت ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ کہ جب کسی مسئلے میں افراط و تفریط کو دخل ہو تو اصولوں کو توڑنا مروڑنا اور دو رُخی اختیار کرنا لازمی امر بن جاتا ہے اور اس کا مقصد صرف خود کو سچا اور اپنے موقف کو قوی ثابت کرنا ہوتا ہے۔ محترم سنابلی صاحب اس دوڑ میں کتنا آگے نکلے ہیں؟ اس کے لیے دونوں رخ مع تبصرہ ملاحظہ کیجیے:

پہلا رُخ: سنابلی صاحب نے عبدالوہاب ثقفی کو متکلم فیہ محض اس لیے قرار دیا کہ امام ابن سعد نے جرح کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''یہ متکلم فیہ ہیں، کیوں کہ ابن سعد نے ان کے بارے میں ''فیہ ضعف'' کہا ہے'' (یزید بن معاویہ......ص239)

دوسرا رُخ: جب سنابلی صاحب کے اپنے پسندیدہ راوی پر امام ابن سعد رحمہ اللہ نے جرح کی تو آنجناب یوں رقم طراز ہوتے ہیں: ''یہ راوی بھی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، ان پر صرف ابن سعد نے ''الطبقات'' (۳۵۶/۶) اور ابن حبان نے ''المجروحین'' (۲۲۷/۲) میں جرح کی ہے۔ ابن سعد جرح میں منفرد ہوں تو ان کی جرح قبول نہیں ہوتی اور ابن حبان رحمہ اللہ جرح میں متشدد ہیں۔'' (یزید بن معاویہ ص268)

تبصرہ: سنابلی صاحب کے اپنے پسندیدہ راوی پر امام ابن سعد کی جرح غیر مقبول اور ان کے موقف کے خلاف روایت کرنے والے راوی پر ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح مقبول۔ آہ!

انھوں نے خودغرض شکلیں شاید دیکھی نہیں غالب
وہ اگر آئینہ دیکھیں گے تو ہم ان کو بتا دیں گے

عرض یہ ہے کہ جب امام ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح تفرد کی صورت میں قبول ہی نہیں تو پھر عبدالوہاب ثقفی متکلم فیہ کس طرح بن گئے؟

پہلا رُخ: سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''ہم نے عبدالوہاب ثقفی کو متکلم فیہ بتلانے کے لیے ابن سعد کی جرح ''فیہ ضعف'' پیش کی'' (یزید بن معاویہ......ص239)

دوسرا رُخ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سنابلی صاحب کے پسندیدہ راوی کے بارے میں فرمایا: ''عبد الرحمٰن بن معاویة ، فیہ ضعف''

یہ راوی چونکہ سنابلی صاحب کے مفاد میں تھا، لہٰذا اب ان کی تاویلی قلابازیاں بھی ملاحظہ کرلیں، لکھتے ہیں: ''عرض ہے کہ اس سند کے ضعیف ہونے کے لیے اس کا مرسل ہونا ہی کافی ہے اور اس کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابوالحویرث کا تعارف پیش کیا اور اس کا پورا نام بتایا ہے اور چونکہ اس پر محدثین نے جرح کی ہے، اس لیے تعارف پیش کرتے ہوئے

یہ بھی کہا کہ اس میں ضعف ہے۔ یہ جملہ راوی کی مطلق تضعیف پر ہرگز دلالت نہیں کرتا، اس سے صرف اور صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس راوی میں ضعف ہے، لیکن کیا یہ ضعف اس قدر ہے کہ راوی کو ضعیف بنا دے؟ اس بات کی صراحت یہاں نہیں ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔'' (یزید بن معاویہ......ص673)

تبصرہ: اگر ''فیه ضعف'' کہنے کے باوجود یہ راوی امام ابن کثیر کے نزدیک ضعیف نہیں تو عبدالوہاب ثقفی کے بارے میں ''فیه ضعف'' کی وجہ سے ابن سعد رحمہ اللہ کی طرف جرح کی نسبت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟

سنابلی صاحب کی تحریر سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱) ابن سعد رحمہ اللہ جب جرح میں منفرد ہوں تو ان کی جرح سرے سے قبول ہی نہیں ہوتی، لہٰذا عبدالوہاب ثقفی کے بارے میں ان کی جرح غیر مقبول ہے۔

۲) ''فیه ضعف'' کہنے والے محدث کے نزدیک وہ راوی ضعیف نہیں ہوتا جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے، پس عبدالوہاب ثقفی ابن سعد رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف نہیں ہیں۔

سنابلی صاحب ہی کے اصولوں سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ عبدالوہاب ثقفی قطعاً ''متکلم فیه'' نہیں ہیں اور اس بات کی بھی وضاحت آ رہی ہے کہ انھوں نے کسی اوثق کی مخالفت نہیں کی، باقی رہا اختلاط کا مسئلہ تو اس کے بارے میں خود سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''عبدالوہاب پر کی گئی جرحِ اختلاط سے متعلق عرض ہے کہ چونکہ اہل فن نے اختلاط کی جرح کے ساتھ ساتھ یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ یہ معاملہ ان کی زندگی کے آخری ایام کا تھا۔ علاوہ بریں کسی بھی محدث نے ان کے اختلاط کو بنیاد بنا کر کسی روایت کو ضعیف نہیں کہا ہے، اس لیے عمومی طور پر ان کی بیان کردہ مرویات کے بارے میں یہی فیصلہ ہوگا کہ وہ ان کے اختلاط سے متاثر نہیں ہیں۔ واللہ اعلم'' (یزید بن معاویہ......ص245)

قارئین کرام! جب عبدالوہاب ثقفی متکلم فیہ نہیں، اختلاط کی جرح مضر نہیں اور انھوں نے کسی اوثق کی مخالفت بھی نہیں کی تو ''سنت بدلنے والی حدیث'' کس بنا پر ضعیف ہے؟ اور

اسے بنیاد بنا کر شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ پر طعن و تشنیع چہ معنی دارد؟

اگر سنابلی صاحب کو یہ سب تسلیم تھا تو کوئی ان سے پوچھے کہ اس بارے میں اتنے صفحے سیاہ کر کے فضا آلودہ کرنا مقصود تھا یا پھر......

ع بدنام نہ ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

لطیفہ؟ سنابلی صاحب ''لطیفہ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''حافظ زبیر علی زئی عبدالوہاب کی توثیق پیش کرتے ہوئے انھیں صحیح بخاری کا مرکزی راوی بتلاتے ہوئے کہتے ہیں: ''آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں۔''

اس سے کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بخاری میں ان کی بہت ساری احادیث ہوں گی، حالاں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''لم یکثر البخاري عنه'' ''امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالوہاب ثقفی سے زیادہ احادیث نہیں لی ہیں۔'' قارئین غور کریں! صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تو کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالوہاب سے زیادہ روایات نہیں لیں اور جناب زبیر علی زئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بخاری کے مرکزی راوی ہیں۔ سبحان اللہ!''

تبصرہ: سنابلی صاحب! اس سے کوئی نہیں، صرف آپ ہی نے سمجھا ہے اور دکھ اس بات کا ہے کہ جو ''مرکزی'' کے معنی و مفہوم سمجھنے سے عاری ہے وہ محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا رَد کرنے اُٹھا ہے، حالانکہ یہ عام طالب علم بھی جانتے ہیں کہ کسی کتاب کے بنیادی راوی ہونے کے لیے قلت و کثرت معیار نہیں ہے اور آنجناب مرکزی کا مطلب کثرت بتلا رہے ہیں۔!!

اگر مرکزی سے مراد زیادہ ہی ہے تو آپ کی درج ذیل تحریر سے کیا سمجھا جائے؟

سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''ہم نے سند کے ضعف کی تائید میں متن کی نکارت کو پیش کیا تھا، ورنہ متن کی نکارت **مرکزی** علت نہیں ہے۔ اسی لیے ہم نے اسے بطور قرینہ و تائید پیش کیا ہے نہ کہ **مرکزی** دلیل کے طور پر۔'' (یزید بن معاویہ......ص 173)

لطیفے کے ذریعے سے محدث العصر رحمہ اللہ کا مذاق اڑانے والا خود مذاق بن کے رہ گیا ہے۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا الجھا ہے پاؤں یار کا زُلف دراز میں

کیا عبدالوہاب ثقفی نے اوثق کی مخالفت کی ہے؟

سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ کتب ستہ کے راوی ''عبد الوهاب ثقة متكلم فيه'' نے کتبِ ستہ کے راوی ''معاذ بن معاذ عنبري ثقة متقن بالاتفاق'' کے خلاف روایت کیا ہے، لہٰذا زیادتِ ثقہ کے مسئلے میں یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ عبدالوہاب کی روایت رد ہونی چاہیے۔'' (یزید بن معاویہ......ص 159)

تبصرہ: قارئین کرام! عبدالوہاب ثقفی کے متكلم فيه ہونے کی حقیقت کیا ہے وہ سابقہ صفحات میں واضح کردی گئی ہے۔ جب وہ متكلم فيه ہی نہیں تو یہ اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ثقہ بالاتفاق کی مخالفت کی ہے اور ایسی مخالفت (زیادت) سے متعلق خود سنابلی صاحب نے امام ابن عبدالہادی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''جب زیادتی کو روایت کرنے والا حافظ اور ثبت ہو اور جس نے زیادتی بیان نہیں کی ہے، وہ بھی ایسا ہی ہو یا ثقاہت میں اس سے کم تر ہو تو ایسی صورت میں زیادتی قبول کی جائے گی۔''

(یزید بن معاویہ......ص 216)

یاد رہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے معاذ بن معاذ کے حافظے پر بھی جرح کر رکھی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: '' وَ كَانَ فِيْ حَدِيْثِهِ شَيْءٌ ''

(العلل و معرفة الرجال : رواية المروذي ، ص43)

'' في حديثه شيءٌ '' کا ترجمہ سنابلی صاحب یوں کرتے ہیں: ''ان کی احادیث محل نظر ہیں۔'' اور اس جرح کو حافظے پر جرح قرار دیا۔ (دیکھئے یزید بن معاویہ......ص 321)

ایسا راوی سنابلی صاحب کے نزدیک متكلم فيه ہوا کرتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ عبدالوہاب ثقفی نے اوثق کی مخالفت کر رکھی ہے، محل نظر ہے بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کی جرح

ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح سے کہیں بڑھ کر ہے جو سنابلی صاحب کی تحریر کی روشنی میں یہ منظر پیش کر رہی ہے کہ ''عبدالوہاب ثقفی ثقہ نے معاذ بن معاذ متکلم فیہ کی مخالفت کی ہے۔'' اور یہ مخالفت قطعاً مضر نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیل

امام بخاری رحمہ اللہ کے قول: " ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عمر " پر اعتراض کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے لکھا: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی'' تو اس پر سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ''بعد میں ہمیں اس دعوے کی صحیح دلیل بھی مل گئی۔'' (یزید بن معاویہ......ص106)

تبصرہ: سنابلی صاحب کی تحریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب تک یہ دلیل نہیں تھی دعویٰ بلا دلیل تھا اور امام بخاری رحمہ اللہ کا دعویٰ بھی دلیل کا محتاج تھا۔

ہمارا حسن ظن ہے کہ اگر یہ دلیل ان کو پہلے مل جاتی تو الفاظ کے ہیر پھیر سے اتنے زیادہ صفحات کبھی سیاہ نہ کرتے اور نہ دورُخی ہی کا مظاہرہ کرتے۔

پہلا رُخ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مدینہ میں قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ کی بنا پر یزید سے روایت کرنے سے منع کیا تو سنابلی صاحب نے لکھا:

''رہا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اپنا موقف تو انھوں نے اپنے اس موقف کی دلیل میں کوئی صحیح تاریخی روایت نہیں پیش کی ہے، لہٰذا ان کا یہ موقف بے دلیل ہونے کی بنا پر غیر مسموع ہے۔'' (یزید بن معاویہ......ص779)

حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ بھی جرح وتعدیل اور علل کے جلیل القدر امام ہیں۔

اسی طرح جب شیخ محترم رحمہ اللہ نے امام ابن سعد کی جرح "فيه ضعف" سے متعلق حافظ ابن حجر کی یہ توضیح نقل کی کہ اس سے مراد اختلاط کی جرح ہے تو سنابلی صاحب نے لکھا:

''عرض ہے کہ یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اپنی توضیح ہے اور اس توضیح کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کوئی دلیل نہیں دی...... اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توضیح خالی از دلیل

ہے۔" (یزید بن معاویہ......ص238)

دوسرا رُخ: لیکن جب محدث العصر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے دعوے کی دلیل طلب کی تو سنابلی صاحب کچھ اس طرح لال پیلے ہوئے:

"مودبانہ عرض ہے کہ محترم یہ آپ کا کام سرے سے ہے ہی نہیں، اللہ کے واسطے آپ خود کو اتنے بڑے کام کے لیے تکلیف نہ دیں۔ یہ چیز آپ کے دائرہ کار سے باہر ہے۔آپ اس بات کے قطعاً اہل نہیں کہ کوئی امامِ فن کسی حدیث کو معلول کہہ دے اور اس کی علت بیان کرے تو آپ اس کی بیان کردہ علت کو غلط ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ یہ بالکل لایعنی اور بے سود کام ہے، کیوں کہ آپ ثابت بھی کر لے جائیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کو معلول کہنے کی کوئی صحیح وجہ بیان نہیں کی ہے تو بھی اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کے فیصلے پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔" (یزید بن معاویہ......ص122)

تبصرہ:

تیری زلف میں ٹھہری تو حسن کہلائی
وہی تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

اگر دلیل طلب کرنا اتنا ہی معیوب ہے تو عرض ہے کہ کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس فن کے امام نہیں، کیا وہ علل کے ماہر نہیں؟ وہ ایک راوی کی تضعیف مع علت بیان کر رہے ہیں اور سنابلی صاحب ان کی بیان کردہ علت کو غلط ثابت کرنے بیٹھ گئے ہیں، جسے "لایعنی اور بے سود کام" کہہ رہے ہیں اسے خود کر بھی رہے ہیں۔ سرِراہ اس جرح سے متعلق "فقیہ سنابل" کی فقاہت بھی بیان کر دی جائے تو بے موقع نہ ہوگی۔

سرِراہ: سنابلی صاحب نے لکھا: "اب اگر زوردار قہقہے سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو دعوائے نسخ پر شاندار فقاہت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں: "خالد بن سمیر کہتے ہیں ایک دفعہ حجاج (بن یوسف) الفاسق نے منبر پر خطبہ دیا تو کہا: بے شک (عبداللہ) ابن زبیر نے قرآن میں تحریف کی ہے۔تو (عبداللہ) ابن عمر بولے: تو نے جھوٹ بولا ہے، نہ وہ

اس کی طاقت رکھتے تھے اور نہ تو اس (تحریف) کی طاقت رکھتا ہے۔ حجاج (غصے) سے بولا: چپ ہو جا اے بوڑھے! تو سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل چلی گئی ہے۔ (ابن سعد ۴/۱۸۴ وسندہ حسن)

آپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی مرض وفات میں جب حجاج بن یوسف عیادت کے لیے آیا تو آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور حجاج سے کوئی بات نہیں کی حتیٰ کہ وہ چلا گیا۔ (ابن سعد ۴/۱۸۶ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق ۱۲۸/۳۳، ۲۹) معلوم ہوا کہ آپ کا حجاج کے پیچھے نماز پڑھنے کا عمل منسوخ ہے۔''

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحریر کے بعد سنابلی صاحب نے لکھا: ''جن کے یہاں نسخ کا اثبات اس طرح کی فقاہت بلکہ فکاہت پر مبنی ہو وہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو مذکورہ بنیاد پر منسوخ بتلائیں تو ان کا حق ہے لیکن علمی دنیا میں اس کی حیثیت ایک لطیفہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔'' (حدیث یزید محدثین کی نظر میں، ص163,164)

قارئین کرام! شیخ محترم رحمہ اللہ کی تحریر بڑی واضح ہے کہ حجاج بن یوسف کے جھوٹ و تہمت کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسے دیکھنا اور اس سے کلام کرنا گوارہ نہیں کر رہے تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا کس طرح پسند کرلیں گے؟

اسی بنا پر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے دعویٔ نسخ کیا ہے لیکن سنابلی صاحب نے اپنے مسخرے پن کی وجہ سے اسے بھی تمسخر بنانے کی کوشش کی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آنجناب ''مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ'' کی تصویر بنے نظر آتے ہیں۔ اب ''فکیہ سنابل'' کی دعویٔ نسخ پر خود اپنی ''فکاہت'' بھی ملاحظہ کرلیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کا رجوع؟

سنابلی صاحب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ان کے جس قول میں یزید بن معاویہ پر ظلم یا لوٹ مار کا الزام ہے، اس قول سے امام احمد رحمہ اللہ رجوع کر چکے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید بن معاویہ کے بارے

میں اپنی جرح سے رجوع کرلیا، بلکہ اسے خیر القرون کی فضیلت کا حامل بھی بتلایا ہے، چنانچہ امام ابوبکر الخلال (المتوفی 311ھ) نے کہا: ''ابو طالب عصمہ بن ابی عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جو کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ کی لعنت ہو، اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کہا: میں اس بارے میں کلام نہیں کرتا۔ میں نے کہا: آپ کیا فرماتے ہیں، کیونکہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ معتبر آدمی ہے اور میں آپ کے قول کو اپناؤں گا! تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے: مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا زمانہ، جو اس کے بعد آئیں گے اور یزید اس دور کے لوگوں میں شامل ہے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: میں نے جس پر لعنت کی یا برا بھلا کہا تو اے اللہ! اسے اس کے حق میں رحمت بنا دے، اس لیے خاموشی ہی میرے نزدیک بہتر ہے۔'' (یزید بن معاویہ......ص782)

تبصرہ: جو شخص مذکورہ عبارت کا بغور مطالعہ کرے گا اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ سنابلی صاحب امام احمد رحمہ اللہ کی جرح سے متعلق دعویٔ نسخ کر کے ''سوال چنا اور جواب گندم'' کی عکاسی کر رہے ہیں، کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے یزید پر لعنت کے بارے میں سوال ہوا تھا نہ کہ لوٹ کھسوٹ اور اس سے حدیث بیان کرنے یا نہ کرنے سے متعلق، لہٰذا انھوں نے لعنت ہی سے خاموشی اختیار کی ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ لعنت شدید کلام ہے اور یزید کے بارے میں متشدد ترین لوگ ہی یہ روش اپناتے ہیں، جبکہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تو فکرِ اعتدال کے امام ہیں۔ ہمارے موقف کی مزید وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب سائل نے لعنت والا سوال دہرایا تو آپ نے وہ احادیث بیان کیں جن میں لعنت کرنے کی مذمت ہے اور لعنت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یزید خیر القرون کا مسلمان ہے۔ واضح رہے کہ خیر القرون کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس دور میں کسی ظالم یا ضعیف راوی کا سرے سے وجود ہی نہ ہوگا۔

اس دعویٔ نسخ پر شاندار ''فکاہت'' کا مظاہرہ کرنے پر ہم سنابلی صاحب ہی کے الفاظ

میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ ''جن کے یہاں نسخ کا اثبات اس طرح کی فقاہت بلکہ فکاہت پر مبنی ہو وہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کو مذکورہ بنیاد پر منسوخ بتلائیں تو ان کا حق ہے لیکن علمی میدان میں اس کی حیثیت ایک لطیفہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔''

تنبیہ: سنابلی صاحب نے دکتور محمد بن ہادی کے حوالے سے لکھا: ''امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد لکھے گئے، ان میں ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑتے تھے۔'' (یزید بن معاویہ......ص 781)

یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر محض لعنت سے متعلق تو خاموشی ثابت ہے لیکن مطلق خاموشی کسی واضح اور صریح قول (دلیل) سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے مذکورہ قول سے یزید پر کی گئی جرح سے رجوع تو ثابت نہیں ہوتا لیکن یہ ضرور واضح ہو رہا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یزید مغفرت کی بشارت والے لشکر میں شامل نہیں ہے کیونکہ اگر وہ شامل ہوتا تو امام موصوف خیر القرون والی عام دلیل کی بجائے مغفرت کی بشارت والی خاص دلیل سے استدلال کرتے، یہی نہیں بلکہ بعض متاخرین کے علاوہ کسی ایک متقدم محدث نے بھی اسے یزید کے حق میں پیش نہیں کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے دعویٰ پر سنابلی دلیل کی حقیقت

سنابلی صاحب نے لکھا: ''زبیر علی زئی صاحب نے بلاوجہ یہ اعتراض کر دیا کہ امام بخاری کے قول کے اندر جو بات ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں اس کی بھرپور تردید کر دی ہے۔ لیکن مزید مطالعہ کے بعد ہمیں صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر ایک **بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح روایت** مل گئی، جس میں امام بخاری رحمہ اللہ کی مکمل تائید موجود ہے۔ یعنی اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں شام گئے تھے اور اس سے قبل وہ مدینے ہی میں مقیم تھے۔'' (یزید بن معاویہ......ص 191)

سنابلی دلیل کی سند

" ثنـا عبد الوهاب الثقفي ، عن هشام ، عن محمد بن سيرين ، عن أبي ذر رضى الله عنه "

سنابلی اصول کی روشنی میں سند کا تعارف

۱) عبد الوهاب ثقفي:

یہ عبدالوہاب وہی راوی ہیں جن کو سنابلی صاحب ''متکلم فیہ'' کہتے نہیں تھکتے اور یہاں ان کی روایت کو'' ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح روایت'' قرار دیا جا رہا ہے۔ اصول حدیث کا عام طالب علم بھی بخوبی جانتا ہے کہ متکلم فیہ راوی کی روایت ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح روایت'' کبھی نہیں ہوتی، لیکن یہ روایت چونکہ سنابلی صاحب کے حق میں تھی، لہٰذا اپنا ہی لکھا بھول گئے۔

جاننا چاہیے کہ اگر عبدالوہاب متکلم فیہ ہیں تو ان کی روایت ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح'' نہیں اور اگر عبدالوہاب کی روایت ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح ہے'' تو یہ متکلم فیہ نہیں اور سنابلی صاحب کے نزدیک یہی درست ہے۔

۲) هشام:

یہ ہشام بن حسان ہیں جن کی ایک روایت کے بارے میں سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ روایت ضعیف ہے، اس میں ہشام بن حسان ہیں، جنھوں نے ''عن'' سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں تیسرے طبقے کا مدلس بتلایا ہے۔ تیسرے طبقے کا مدلس جب ''عن'' سے روایت کرے تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔'' (یزید بن معاویہ......ص 251)

مذکورہ سند میں بھی ہشام ''عن'' ہی سے روایت کر رہے ہیں، پھر بھی ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح'' ہے!!! کیونکہ یہ سنابلی صاحب کے حق میں تھی اور جس کو ضعیف ثابت کر رہے

ہیں وہ ان کے موقف کے خلاف تھی۔

ع ایک جا رہتے نہیں بدنام عاشق کہیں شام کہیں صبح کہیں، صبح کہیں شام کہیں

۳) محمد بن سیرین:

سنابلی صاحب نے ان کے بارے میں لکھا: ''درحقیقت اس روایت کو بیان کرنے والے محمد بن سیرین رحمہ اللہ ہیں۔ اور یہ ارسال کرنے میں کافی مشہور ہیں، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انھوں نے ارسال کیا ہے۔ جیسا کہ کتب مراسیل میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ یعنی ایسے صحابہ کے حوالے سے یہ روایات بیان کرنے کے عادی تھے جن سے کبھی یہ ملے نہ تھے۔ اگرچہ ان کا دور پایا تھا۔ بلکہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور کی بات بھی بیان کر دیتے تھے۔ جبکہ آپ کو یہ دور ملا ہی نہ تھا کیونکہ آپ تابعی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ اگر کوئی ایسی کہانی بیان کریں جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ ان کا اپنا مشاہدہ نہیں بلکہ یہ کہانی انھوں نے کسی غیر ثقہ سے سن رکھی ہے تو دریں صورت ان کا بیان معتبر نہ ہوگا۔''

(یزید بن معاویہ......ص901)

اور ہماری تحقیق کے مطابق محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، جیسا کہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''محمد بن سیرین کی سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔'' (کتاب المراسیل ص188)

جب محمد سیرین رحمہ اللہ کی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں تو یہ روایت ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح'' کیسے ہوگئی؟ سنابلی صاحب!

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

سنابلی صاحب کے نزدیک ایک اور علت

جس روایت کو آنجناب ''بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح'' کہہ رہے ہیں، انھی کے نزدیک اس میں ایک اور علت بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

’’یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روایت میں مذکورہ قصہ شام کے علاقہ کا ہے اور محمد بن سیرین بصرہ کے رہنے والے تھے۔...... بنا بریں جب یہ واقعہ بھی شام کے علاقہ کا ہے اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ بصرہ کے رہنے والے ہیں تو یہیں پر یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ واقعہ ان کا اپنا مشاہدہ ہو یہ بہت بعید ہے۔‘‘ (یزید بن معاویہ......ص 902)

اور ایسی روایت سنابلی صاحب کے نزدیک ’’من گھڑت‘‘ ہوتی ہے۔

(دیکھئے یزید بن معاویہ......ص 906)

اب من گھڑت روایت ’’بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح‘‘ کس طرح بن گئی؟

ع تیری بات کو بت حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے، کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

خلاصۃ التحقیق: سنابلی صاحب نے امام بخاری رحمہ اللہ کے دعویٰ پر جس دلیل کو پیش کیا ہے وہ خود سنابلی صاحب ہی کے اصولوں کے مطابق ’’من گھڑت‘‘ ہے۔ معلوم نہیں کس مقصد کے تحت انھوں نے اپنے ہی اصولوں سے انحراف کر کے اسے ’’بہت ہی اعلیٰ درجے کی صحیح‘‘ روایت کیوں قرار دے دیا ہے؟ ع انصاف سے کہیے آخر ماجرا کیا ہے

لطیفہ؟ سنابلی صاحب کو لطیفے بنانے یا پیش کرنے کا بڑا ذوق ہے، یہی وجہ ہے کہ بات بے بات پر لطیفہ کی ہیڈنگ دے دیتے ہیں، لیکن ہوتے سب ہی بے ڈھنگے ہیں، اس سلسلے میں پنجاب کا ایک خاص قبیلہ معروف ہے، انھیں مشق کے لیے وہاں جانا چاہیے۔

لطیفے کے طور پر سنابلی صاحب لکھتے ہیں: ’’امام بخاری رحمہ اللہ کے دعوے کے خلاف زبیر علی زئی صاحب کوئی روایت پیش نہیں کر سکے، لیکن......‘‘ (یزید بن معاویہ......ص 194)

تو عرض ہے کہ جس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے آپ ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے ہیں وہ حسن لذاتہ روایت اس دعوے کے خلاف ہی تو ہے۔

ع آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

ترکش کا آخری تیر

عبد الوہاب ثقفی والی روایت کو اپنے تئیں من گھڑت ثابت کرنے کے لیے سنابلی صاحب نے دو شہادتیں پیش کی ہیں، چنانچہ پہلی شہادت میں صحیح مسلم کی حدیث پیش کی کہ جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین ہمیشہ بارہ خلفا کے پورا ہونے تک غالب و بلند رہے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کلمہ ارشاد فرمایا، لیکن لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو انھوں نے کہا: سب خلفا قریش کے خاندان سے ہوں گے''

اس حدیث میں بارہ خلفا تک دین کی سلامتی اور اس کے قیام کی بات کہی گئی ہے اور یزید بن معاویہ چھٹے نمبر پر خلیفہ تھے......اب غور کیجیے کہ جب صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بارہ خلفا تک دین سلامت و قائم رہے گا اور اس بات کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے تو اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ چھٹا خلیفہ سنت کو تبدیل کر دے گا تو ایسے شخص کے جھوٹے اور سبائی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے؟!

تبصرہ: اسے کہتے ہیں ''جذباتی ڈائیلاگ'' یا پھر ''کلمة حق أريد بها الباطل'' کیونکہ اس حدیث کے ذریعے سے سنابلی صاحب یزید کو معصوم عن الخطا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور آج تک اس حدیث سے کسی عالم و محدث نے یہ استدلال نہیں کیا، یہ محض سنابلی جی ہی کی ''فکاہت'' ہے۔

اس حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی حق ہے، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہو رہا ہے کہ انفرادی طور پر بھی کسی سے کوئی گناہ و خطا سرزد نہیں ہو گی؟! رافضیوں والا عقیدہ ''امام معصوم'' سنابلی صاحب ہی کو مبارک ہو۔ اسی طرح بزعم سنابلی محمد بن حنفیہ کی گواہی سے بھی یزید کا معصوم عن الخطا ہونا ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا ان کی غیر متعلقہ روایات کے ذریعے سے حسن لذاتہ روایت کو ''من گھڑت'' ثابت کرنے کی کوشش کبھی بار آور نہیں ہو گی۔

(......جاری ہے)

تبصرۂ کتب　　　　تبصرہ نگار: عبدالرحمٰن اثری

کتاب: فتنہ انکارِ حدیث

دفاعِ حدیث نبوی ﷺ حقیقت میں دفاع دین اسلام ہے کیونکہ احادیث کے مجموعے کو الگ کر دیا جائے تو اسلام نامکمل ہو کر رہ جائے گا۔ اور لوگ اس کی بنیادی تعلیم بھی سمجھنے سے قاصر رہے گے، مثلاً: نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی تفصیلات قطعاً قرآن مجید میں نہیں ملیں گی اور ان کی تفصیلات وطریقۂ کار کو سمجھنے کے لیے حدیثِ نبوی ﷺ کی ضرورت ہوگی، کیونکہ حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔ قرآن مجید میں اجمالی احکام کا ذکر ہے اور احادیث نبوی میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں۔

انکار حدیث کا فتنہ بالعموم برصغیر پاک و ہند اور بالخصوص صوبہ سندھ میں بہت زیادہ پھیلایا جا رہا ہے، چنانچہ حنفی مکتبہ فکر کے سندھی زبان بولنے والے عزیز اللہ بوہیو کے ذریعے سے سندھ میں انکار حدیث کے فتنے کو پروان چڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

انکار حدیث پر عزیز اللہ بوہیو نے کئی ایک کتب تحریر کی ہیں جس طرح سابقہ ادوار میں محدثین کرام نے دفاع حدیث نبوی ﷺ کے حوالے سے دشمنان اسلام کے دندان شکن جوابات دیے اسی طرح عزیز اللہ بوہیو کی طرف سے احادیث نبوی ﷺ پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات محترم پروفیسر محمد جمن کنبھر حفظہ اللہ (موصوف صوبہ سندھ میں جماعت اہل حدیث کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، مبلغ بھی ہیں، شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کے زیر تربیت رہے ہیں، اور استاذ محترم شیخ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے والہانہ محبت بھی رکھتے ہیں اور ان سے فون پر استفادہ بھی کرتے تھے، سکرنڈ کالج میں پروفیسر ہیں) نے مدلل ومسکت انداز میں مرتب کر کے ایک بہترین مجموعہ تیار کیا ہے جو سندھی زبان میں ''فتنہ انکار حدیث'' کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں عزیز اللہ بوہیو کے عقائد ونظریات اور تصانیف پر تقریباً ایک ہزار صفحات میں بڑی زبردست گفتگو کی ہے۔ اس

بہترین کتاب کو مکتبہ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ ضلع ٹیاری سندھ نے پرکشش ٹائٹل کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کو فضیلۃ الشیخ استاذ العلماء علامہ عبداللہ ناصر رحمانی اور فضیلۃ الشیخ محمد ابراہیم بھٹی اور محقق عالم محترم جناب ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں اور میرے فاضل بھائی حافظ شبیر جمالی حفظہم اللہ کی تقدیم نے چار چاند لگا دیے ہیں۔

استاذی المحترم عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ نے مقدمۃ الکتاب میں عزیز اللہ بوہیو کے صحیحین پر اعتراضات کی خوب خبر لی ہے، چنانچہ عزیز اللہ کے اس اعتراض: ''بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے مل کر خود یا اپنے اساتذہ سے مل کر احادیث صحیحین گھڑ لی ہیں۔'' کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ احمقانہ جاہلانہ اور تمسخرانہ افتراء صدیوں سے قائم علماء امت اور اساطین فن کے اجماع کو توڑنے کی ایک مذموم سازش ہے۔ حدیث کے خلاف نہیں بلکہ پورے دین اسلام کے خلاف وہ بھی ایک ایسے شخص کی طرف سے جو خود اپنے آپ کو آوارہ کہتا ہے۔'' (ص 17) فتنہ انکار حدیث جس میں عزیز اللہ بوہیو کا رد کیا گیا ہے۔ اسے محترم پروفیسر محمد جمن کنبھر حفظہ اللہ نے بنیادی دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ ''حديث جي شرعي حيثيت اسلام جي بنيادی عقائد ۽ ارکان متعلق عزيز الله بوهيو جي موقف جو علمي جائزو''

دوسرا حصہ ''صحيح بخاري ۽ صحيح مسلم جي احاديث تي کيل اعتراض جو علمی جائزو''

وہ طبقہ جو سندھی زبان سے تعلق رکھتا ہے اس کے لیے مصنف حفظہ اللہ کی طرف سے یہ کتاب کسی تحفے سے کم نہیں۔ اس کو حاصل کرنا چاہیے اور اپنی لائبریری کی زینت بنانا چاہیے تاکہ اس بہترین کتاب کا مطالعہ کر کے اسلام دشمن عناصر سے اپنے عقائد و نظریات کو محفوظ بنایا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے اور ان کی تالیف کو عوام و خواص کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

غیر ثابت قصے

ابو القاسم نوید شوکت

نبی ﷺ کی الیاس علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کا قصہ

سیدنا انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ایک جگہ ہم نے پڑاؤ کیا تو اچانک ایک وادی میں کوئی شخص کہہ رہا تھا: اے اللہ! مجھے امت محمد یہ مرحوم مغفور اس سے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے جس سے بنا۔انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) نے کہا: میں نے وادی کے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو وہ ایک آدمی تھا جس کا قد تین سو ہاتھ سے زیادہ تھا اس نے مجھے کہا: تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں رسول اللہ (ﷺ) کا خادم انس بن مالک ہوں۔اس نے کہا: وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا: وہ آپ کی بات سن رہے ہیں۔اس نے کہا: ان کے پاس جا اور انھیں میرا سلام کہہ اور بتا کہ آپ کا بھائی الیاس آپ کو سلام کہتا ہے۔میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی۔آپ (ﷺ) نے ان کے پاس آ کر معانقہ کیا اور انھیں سلام کیا، پھر دونوں باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔پس انھوں (الیاس علیہ السلام) نے آپ (ﷺ) کو کہا: اے اللہ کے رسول! میں سال میں ایک دن کھاتا ہوں اور آج میری افطاری کا دن ہے۔میں کھاؤں گا آپ بھی کھائیں۔انس (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ان دونوں پر آسمان سے دستر خوان نازل ہوا، جس میں روٹیاں، مچھلی (وغیرہ) تھی۔ان دونوں نے کھایا اور مجھے بھی کھلایا اور ہم نے عصر کی نماز پڑھی، پھر انھیں الوداع کیا تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ بادلوں میں آسمان کی طرف چڑھ گئے۔یہ واقعہ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

۱) امام بیہقی نے کہا: أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ: أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْبَغْدَادِيُّ ببخارا ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَحْمُودٍ ، حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ سِنَانٍ ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقِّيُّ ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْعَلَوِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ، عَنْ مَكْحُولٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قَالَ:...... إلخ (دلائل النبوة ج5ص421)

۲) امام حاکم نے فرمایا: حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْمَعْدَانِيُّ بِبُخَارَى ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَحْمُودٍ ، ثنا عَبْدَانُ بْنُ سَيَّارٍ ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ الْبَرْقِيُّ ، ثنا يَزِيدُ بْنُ يَزِيدَ الْبَلَوِيُّ ، ثنا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ، عَنْ مَكْحُولٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ:......إلخ (مستدرك ج2ص674)

۳) امام ابن ابی دنیا نے کہا: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ يَزِيدَ الْمَوْصِلِيُّ الْبَلَوِيُّ مَوْلًى لَهُمْ ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْجُرَشِيُّ ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ ، عَنْ مَكْحُولٍ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ:......إلخ (هواتف الجنان ج1ص105)

پہلی دونوں سندیں درج ذیل بنا پر ضعیف ہیں: ا: عبدان بن سنان مجہول راوی ہے۔

تنبیہ: پہلی سند میں عبدان بن سنان ہے جبکہ دوسری سند میں عبدان بن سیار ہے، لیکن حافظ ذہبی نے کہا: عبدان بن یسار نے احمد بن البرقی سے ایک موضوع خبر بیان کی ہے جسے میں نہیں پہچانتا۔ (میزان الاعتدال 2/ 685)

یہ راوی ابن سنان یا ابن سیار یا ابن یسار جو بھی ہو یہ مجہول ہے۔

۲: اسی طرح یزید بن یزید بھی مجہول راوی ہے۔ / تنبیہ: پہلی سند میں یزید العلوی لکھا ہے جو غلط ہے۔ صحیح البلوی ہے، جیسا کہ آخری دونوں سندوں میں ہے۔

تیسری سند بھی یزید بن یزید البلوی کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ وہ مجہول ہے۔

تنبیہ: تیسری سند میں ایک راوی ابو اسحاق الجرشی تحریر ہے جو غلط ہے کیونکہ باقی سندوں میں الفزاری ہے اور وہی صحیح ہے لیکن اگر یہ کوئی اور راوی ہے تو یہ بھی مجہول ہے۔

ا: علاوہ ازیں امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

۲: امام ذہبی نے کہا: خَبَرًا مَوْضُوعًا . من گھڑت خبر ہے۔ (میزان 2/ 685)

۳: حافظ ابن حجر نے کہا: حديث باطل . (لسان الميزان 8/ 508)

امام حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، لیکن امام ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (تلخيص المستدرك 2/ 674ح4231)